© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد شہباز منج

شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، drshahbazuos@hotmail.com

ڈاکٹر غازی مرحوم۔فکر ونظر کے چند گوشے

تحمل، برداشت، محبت، وسیع النظری، بلند نگہی، شیریں بیانی، جذب دروں، خود اعتمادی، علم کی گہرائی و گیرائی، اپنے علمی وتہذیبی ورثے پر فخر اور دوسروں میں یہ فخر پیدا کر دینے کا ہنر، ایسا شخص آج کی اس خانماں خراب ملت اسلامیہ میں، خداوند قدوس کی نعمت عظمی ہی تو تھا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ عصر حاضر کے تہذیبی مزاج ونفسیات کے تناظر میں اہل اسلام کی رہنمائی اور امت کو درپیش جدید اندرونی وبیرونی اور فکری وتہذیبی چیلنجز کے مقابلہ کے لیے مطلوب اعلیٰ وژن اور اپروچ اور پختگی وثقاہت علم وفکر کے حامل تھے۔ امت مرحومہ کو آج ایسے ہی مردان کار چاہییں مگر افسوس کہ یہ ڈھونڈے نہیں ملتے۔ ڈاکٹر غازی مرحوم کی رحلت سے محاورۃً نہیں واقعتاً ایک غیر معمولی خلا پیدا ہو گیا ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

''قیس کا مرنا ایک فرد کا مرنا نہیں، پوری قوم کی بنیاد کا منہدم ہو جانا ہے۔''

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ڈاکٹر غازی ایسے لوگوں کو خراج تحسین تو پیش کرتے ہیں لیکن ان کے وژن اور فکر سے رہنمائی حاصل نہیں کرتے۔ حالانکہ ایسے بڑے لوگوں کو بہترین خراج تحسین یہ ہوتا ہے کہ ان کے افکار سے رہنمائی حاصل کر کے ان کے آدرشوں کی تکمیل کی کوشش کی جائے۔ میں یہاں ڈاکٹر صاحب کی فکر کے چند گوشوں کو سامنے لا کر ملت کی تقدیر بدلنے کی خواہش رکھنے والوں اور اسلام اور عالم اسلام کے بہی خواہوں کو اس سے رہنمائی حاصل کر کے ڈاکٹر صاحب کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے کی اپنی سی کوشش کرنے کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔

کتاب وسنت سے گہرے ربط اور ان بحر ہائے معانی میں غواصی کی ضرورت

ڈاکٹر غازی فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ہمارا اللہ کی کتاب اور اس کی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رابطہ سطحی اور رسمی سا رہ گیا ہے۔ اسی لیے یہ ہم پر اپنے دروازے وانہیں کرتے۔ قرآن سے گہرے ربط کے لیے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اقبالؒ کے توسط سے جو طریقہ بتایا ہے، وہ نوجوانان ملت کے لیے قابل تقلید ہے۔ کہتے ہیں: علامہؒ نے لکھا ہے کہ نوجوانی کے زمانے میں میرا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا۔ ایک روز تلاوت میں مشغول تھا کہ والد گرامی پاس سے گذرے اور فرمانے لگے: کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہوں۔ وہ خاموش رہے اور چلے گئے۔ اگلے روز پھر ایسا ہی ہوا۔ یہ معاملہ کئی دن رہا۔ ایک دن میں نے عرض کیا: آپ روزانہ پوچھتے ہیں حالانکہ آپ دیکھتے ہیں کہ میں قرآن کی تلاوت کر رہا ہوں۔ فرمانے لگے: دیکھو! جب تم کلام پاک پڑھا کرو تو اس شعور و احساس سے کے ساتھ پڑھا کرو کہ اللہ تعالیٰ براہ راست تمہی سے ہم کلام ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف''

(محاضرات قرآنی، ص ۳۹)

کتاب اللہ سے ربط پیدا کر کے اس لا متناہی سمندر سے گوہر ہائے معانی نکالنے کے کتنے وسیع امکانات ہیں، اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے، ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص اسلام قبول کرنے کے لیے آیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے، جیسا کہ وہ اپنے پاس قبول اسلام کے لیے آنے والے ہر شخص سے پوچھا کرتے تھے، اُس سے سوال کیا کہ اسے اسلام کی کس چیز نے متاثر کیا؟ اس نے کہا: میں فرانسیسی دنیا کا سب سے بڑا اور مقبول موسیقار ہوں۔ آج سے چند روز قبل مجھے ایک عرب سفیر کے ہاں کھانے کی دعوت پر جانے کا موقع ملا۔ وہاں موجود لوگ ایک خاص انداز کی موسیقی سن رہے تھے۔ مجھے وہ دنیائے موسیقی کی سب سے اونچی چیز محسوس ہوئی۔ میری ایجاد کردہ دھنوں اور ان کے نشیب وفراز سے بھی بہت آگے کی چیز، جہاں تک پہنچنے کے لیے دنیائے موسیقی کو ابھی بہت وقت درکار ہے۔ میں حیران تھا کہ آخر یہ موسیقی اور اس کی دھنیں کس نے ترتیب دیں؟ میں نے لوگوں سے بار بار اس سے متعلق پوچھنا چاہا لیکن انہوں نے ہر بار مجھے اشارہ سے خاموش کر دیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں کہ اس دوران وہ موسیقی کی بعض اصطلاحات بھی استعمال کر رہا تھا، جن سے میں واقف نہ تھا۔ جب وہ موسیقی بند ہو گئی تو اس کے پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ موسیقی نہیں، قرآن حکیم کی تلاوت تھی۔ فلاں قاری صاحب تلاوت کر رہے تھے، اور موسیقی کی تو وہ ابجد سے بھی واقف نہیں۔ لیکن اس کو یقین نہ آیا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ دھنیں کسی کی بنائی ہوئی نہ ہوں۔ اسے سمجھایا گیا کہ یہ فن تجوید و قرأت ہے۔ وہ کہنے لگا: یہ فن کب ایجاد ہوا؟ اسے بتایا گیا کہ چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایسے ہی قرآن سکھایا تھا۔ اس پر وہ گویا ہوا: اگر ایسے ہی ہے تو پھر بلاشبہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ پھر اس نے کئی جگہوں پر جا کر اور کئی قاریوں کی تلاوت سنی اور اب قرآن کے اللہ کی کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کا یقین حاصل کر کے مسلمان ہونے کے لیے ڈاکٹر صاحب کے سامنے تھا۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اسے مسلمان کر لیا اور پیرس میں زیر تعلیم ایک الجزائری مسلمان کو اس کی دینی تعلیم کے لیے مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ دونوں میرے پاس آئے۔ الجزائری معلم نے بتایا کہ یہ قرآن سے متعلق کچھ شک کا اظہار کر رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ جس بنیاد پر مسلمان ہوا تھا وہ بنیاد ہی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی، لہٰذا اس کے شک کا میں کیا جواب دوں گا۔ لیکن اللہ کے بھروسے پر میں نے پوچھا: بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ وہ موسیقار بولا: معلم صاحب نے مجھے سورہ نصر پڑھائی ہے۔ اس میں افواجا اور فسبح کے درمیان خلا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہاں کوئی چیز حذف ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ایک لمحے کو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ دنیائے اسلام پر نگاہ دوڑائی، لیکن کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جو فن تجوید اور موسیقی دونوں کا ماہر ہو اور اس کا شک دور کر سکے۔ میں چند سیکنڈ شش و پنج میں رہا، پھر اچانک اللہ نے میرے ذہن میں ایک پرانی بات ڈالی۔ بچپن میں جب مکتب میں قرآن پڑھا کرتا تھا، تو میرے معلم نے مجھے بتایا تھا کہ افواجا پر وقف نہیں کرنا بلکہ آگے ملا کر پڑھنا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے افواجا پر وقف کیا تھا تو انہوں نے مجھے سزا بھی دی تھی۔ میں نے سوچا شاید اسی بات سے اس کا شبہ دور ہو جائے۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ کے معلم تجوید کے اتنے ماہر نہیں ہیں۔ دراصل یہاں لفظ افواجا کو غنہ کے ساتھ فسبح سے ملا کر پڑھا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سن کر وہ خوشی سے اچھل پڑا اور مجھے گود میں لے کر کمرے میں ناچنے لگا اور کہا کہ واقعی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ یہ سن کر میں نے اسے ایک اور قاری کے سپرد کر دیا۔ وہ وقتاً فوقتاً مجھ ملتا اور بہت سر دھنتا کہ واقعی یہ اللہ کی کتاب ہے۔ وہ ایک اچھا مسلمان ثابت ہوا اور ایک کامیاب زندگی گزار کر ۱۹۷۰ء میں فوت ہوا۔ (محاضرات قرآنی۔ص ۲۲۷-۲۳۰)

قرآن کی اسی معجز نمائی کے حوالے سے ڈاکٹر غازی مرحوم نے فرانسیسی سائنسدان ڈاکٹر موریس بکائی کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ڈاکٹر بکائی نے اپنے قرآن کی حقانیت پر ایمان لانے سے متعلق اپنے تاثرات بذات خود ان سے بیان کیے۔ نامور ہارٹ اسپیشلسٹ اور فرانس کی میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر کے طور پر فرائض سرانجام دینے والے ڈاکٹر بکائی سعودی عرب کے شاہ فیصل مرحوم کے ذاتی معالج تھے۔ انہیں وقتاً فوقتاً ریاض جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ سرکاری مہمان کے طور ریاض میں ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھے۔ ان کے کمرے میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید کا ایک نسخہ پڑا ہوا تھا۔ شاہ سے ملاقات کا انتظار تھا۔ انہوں نے وقت گزاری کے لیے اس نسخہ قرآنی کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اس سے پہلے عام عیسائیوں کی طرح انہیں بھی قرآن کو پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس ورق گردانی کے دوران انہیں محسوس ہوا کہ قرآن میں بعض بیانات سائنسی نوعیت کے بھی ہیں۔ ایک سائنسدان اور میڈیکل ڈاکٹر ہونے کے ناطے انہیں یہ بیانات دلچسپ لگے۔ انہوں نے قرآن کو بار بار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھا اور ایسے بیانات نوٹ کر لیے۔ انہیں خیال آیا کہ اگر ایسے ہی بعض بیانات بائبل میں بھی ہوں اور سائنس کی روشنی میں قرآن اور بائبل کے بیانات کا تقابل کیا جائے تو ایک دلچسپ سٹڈی سامنے آسکتی ہے۔ پیرس واپس جا کر انہوں نے بائبل سے بھی اس نوعیت کے بیانات نوٹ کر لیے۔ اب دونوں کا تقابلی مطالعہ شروع کیا۔ عیسائی ہونے کی بنا پر قرآن سے انہیں کسی نوع کی عقیدت نہ تھی۔ معروضی مطالعہ کی روشنی میں وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ قرآن کے سائنسی نوعیت کے تمام بیانات سو فیصد درست جبکہ بائبل کے بہت سے بیانات غلط تھے۔ ان کی یہ تحقیقی کاوش The Bible, The Quran and Science کے نام سے سامنے آئی، جس کا دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قرآن کی حقانیت کے اس تجربی ثبوت نے ان کو اسلام کی صداقت کو ماننے پر آمادہ کیا اور بالآخر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (محاضرات حدیث، ص ۴۴۹-۴۵۰، محاضرات قرآنی، ص ۴۳-۴۴)

یہ اور اس طرح کے دیگر دلچسپ واقعات کے تذکرہ سے ڈاکٹر غازی مرحوم کا مقصود صاحبان فکر ونظر کے لیے قرآن کے بحر ناپیدا کنار میں غواصی کی تحریک وتشویق پیدا کرنا تھا کہ

صد جہانِ تازہ در آیات او ست
عصرہا پیچیدہ در آیات او ست

قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی کے اندر بھی معانی ومفاہیم اور امکانات کی کئی دنیائیں آباد ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے بھی بہت دلچسپ حقائق بیان کیے ہیں۔ ایک واقعہ سائنس کے طالب علموں اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے خصوصی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ یہ واقعہ بھی ڈاکٹر صاحب مرحوم نے ڈاکٹر حمید اللہؒ سے روایت کیا ہے۔ ڈاکٹر موریس بکائی نے بخاریؒ کی سو احادیث منتخب کر کے ان کا جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں جائزہ لیا۔ اس جائزہ پر مبنی مقالہ شائع کرنے سے قبل وہ ڈاکٹر حمید اللہ کے پاس لائے۔ انہوں نے دیکھا کہ منتخب کردہ احادیث کے سو بیانات میں سے اٹھانوے کو تو ڈاکٹر بکائی نے درست قرار دیا تھا، لیکن دو کو غلط بتایا تھا۔ ان دو بیانات میں سے ایک یہ تھا کہ جب کھانے میں کوئی مکھی گر جائے تو اس کو پورا اندر ڈبو کر نکال لو کہ مکھی کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے۔ جب وہ گرتی ہے تو بیماری والا حصہ کھانے میں پہلے ڈالتی ہے، تم دوسرا پر بھی ڈبو لو تا کہ شفا والا حصہ بھی کھانے میں ڈوب جائے۔ ڈاکٹر بکائی کا خیال تھا کہ مکھی کے کسی پر میں شفا نہیں ہوتی، وہ تو گندی چیز ہے۔ دوسری بات جو بکائی کے نزدیک غلط تھی، وہ یہ تھی کہ بنی عرینہ کے لوگوں کو مدینہ میں آکر ایک بیماری لگ گئی۔ اس بیماری سے ان کے رنگ زرد ہو گئے، پیٹ پھول گئے اور ایک خاص انداز کا بخار گویا زرد بخار ہو گیا۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا: تم مدینے سے باہر فلاں جگہ چلے جاؤ۔ وہاں رہو اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو۔ ڈاکٹر بکائی کا موقف تھا کہ پیشاب تو جسم کا Refuse ہے، اس سے علاج کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حمید اللہ نے ڈاکٹر بکائی سے کہا: میں سائنسدان تو نہیں ہوں، البتہ ایک عام آدمی کے طور پر میرے کچھ شبہات ہیں، اگر آپ وہ دور کر دیں تو پھر بے شک اپنی اس تحقیق کو اپنے اعتراضات کے ساتھ شائع کر دیں۔ ایک یہ کہ سائنسدان جب تجربات کرتے ہیں تو ایک تجربے کے دو بار صحیح ثابت ہونے پر اسے پچاس فیصد درجہ دیتے ہیں، تین چار مرتبہ صحیح ہونے پر اس کا درجہ بڑھ جاتا ہے، چار پانچ مرتبہ کے تجربہ کے بعد کہا جاتا ہے کہ فلاں بات سو فیصد صحیح ثابت ہو گئی، حالانکہ سو بار تجربہ نہیں کیا ہوتا۔ ڈاکٹر بکائی نے اس بات کو تسلیم کیا تو ڈاکٹر حمید اللہ نے کہا: پھر جب آپ نے صحیح بخاری کے سو میں سے اٹھانوے بیانات تجربہ کر کے درست قرار دیے ہیں تو سائنسی اصول کی روشنی میں آپ کو بقیہ دو بیانات بھی درست ماننے چاہییں۔ دوسری بات یہ کہ آپ انسانوں کا علاج کرتے ہیں، جانوروں کے ماہر نہیں، نہ ہی آپ کو یہ معلوم ہے کہ دنیا میں کتنی قسم کے جانور پائے جاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ علم حیوانات میں کون کون سے شعبے اور کون کون سی ذیلی شاخیں ہیں اور ان میں کیا کیا چیزیں پڑھائی جاتی ہیں؟ لیکن اگر علم حیوانات میں 'مکھیات' کا کوئی شعبہ ہے تو آپ اس شعبہ کے ماہر نہیں ہیں۔ کیا آپ نے سروے کیا ہے کہ دنیا میں کل کتنی قسم کی مکھیاں ہیں اور کون سی مکھیاں کس موسم میں کہاں پائی جاتی ہیں؟ جب تک آپ عرب میں ہر موسم میں پائی جانے والی مکھیوں کا تجربہ کر کے، ایک ایک جز کا معائنہ کر کے لیبارٹری میں چالیس پچاس سال لگا کر یہ پتہ نہ چلالیں کہ ان میں کسی بھی مکھی کے پر میں کسی بھی قسم کی شفا نہیں ہوتی، اس وقت تک آپ یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں کہ مکھی کے پر میں بیماری یا شفا نہیں ہوتی؟ پھر اگر آپ یہ ثابت بھی کر دیں کہ مکھی کے پر میں شفا نہیں ہوتی تو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ چودہ سو سال قبل ایسی مکھیاں نہیں ہوتی تھیں؟ ڈاکٹر بکائی نے اسے بھی درست تسلیم کر لیا۔ بکائی کے دوسرے اعتراض سے متعلق ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں بطور ایک عام آدمی کے یہ سمجھتا ہوں کہ بعض بیماریوں کا علاج تیزاب سے بھی ہوتا ہے۔ دواؤں میں ایسڈ شامل ہوتے ہیں۔ جانوروں کے پیشاب میں کیا ایسڈ شامل نہیں ہوتا؟ آج کے خالص اور آپ کے بقول پاک ایسڈ کے مقابلے میں ممکن ہے عرب میں اس کا رواج ہو کہ کسی نیچرل طریقہ سے لیا گیا کوئی ایسا لیکویڈ جس میں تیزاب کی ایک خاص مقدار پائی جاتی ہو، بطور علاج استعمال ہوتا ہو۔ آج سے کچھ سال پہلے میں نے ایک کتاب پڑھی تھی۔ ایک انگریز سیاح ڈاؤٹی نے ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ عرب کی سیاحت کی اور اس کے جغرافیہ پر دو بڑی زبردست کتابیں Arabia Deserta اور Arabia Petra تحریر کیں۔ اس نے اپنی یادداشت میں لکھا کہ جزیرہ عرب کے سفر کے دوران ایک موقع پر میں بیمار پڑ گیا۔ میرا پیٹ پھول گیا، رنگ زرد ہو گیا اور مجھے زرد بخار کی طرح کی ایک بیماری لگ گئی۔ میں نے دنیا میں جگہ جگہ اس کا علاج کروایا، کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر جرمنی میں ایک بڑے ماہر ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ جہاں تمہیں یہ بیماری لگی ہے، وہاں جاؤ۔ ممکن ہے وہاں کوئی مقامی طریقہ علاج ہو۔ میں واپس عرب گیا۔ جس بدو کو میں نے خادم کے طور پر رکھا ہوا تھا، اس نے دیکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کہا: یہ بیماری آپ کو کب سے ہے؟ میں نے کہا، کئی ماہ ہوگئے ہیں۔ اس نے کہا: ابھی میرے ساتھ چلیے۔ وہ مجھے اونٹوں کے باڑے میں لے گیا اور کہا: آپ کچھ دن یہاں رہیں اور اونٹ کے دودھ اور پیشاب کے علاوہ کچھ نہ پییں۔ میں حیرت زدہ تھا کہ ایک ہفتے کے علاج کے بعد میں بالکل ٹھیک ہوگیا۔ یہ سن کر موریس بکائی نے اپنے دونوں اعتراضات واپس لے لیے اور اپنا مقالہ ان کے بغیر ہی شائع کر دیا۔ (محاضرات حدیث، ص ۴۵۰-۴۵۴)

اپنے تہذیبی ورثے سے آگہی:

آج کا مسلمان نوجوان اپنی فکر وتہذیب سے متعلق احساس کہتری کا شکار نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر غازی کے بقول اس کی وجہ اپنے تہذیبی ورثے سے ناواقفیت ہے۔ آپ کسی بچے سے شیکسپیر کے بارے میں پوچھیں، وہ خوب بتائے گا بلکہ ممکن ہے اس کے کئی شعر بھی سنا دے، لیکن مولانا روم کا شاید اسے نام بھی معلوم نہ ہو۔ لہٰذا نسل نو کو اپنی تہذیب وتاریخ سے آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس سلسلہ میں اپنے ایک جاننے والے اسپینی نومسلم مبلغ اسلام کے اسلام کی طرف راغب ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہیں اسپینی حکومت نے ۱۹۹۲ء میں سپین کے مسلمانوں کے زوال وانخلا کے حوالے سے پانچ سو سالہ جشن منانے کے سلسلہ میں یہ ٹاسک دیا کہ وہ ایک ایسی کتاب مرتب کریں جو ۱۴۹۲ء میں اسپین میں مسلمانوں کے زوال تک ان کی ناانصافیوں اور مظالم کی داستان پر مشتمل ہو۔ انہوں نے مطالعہ شروع کیا تو عربی زبان سیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے عربی سیکھی اور ذاتی مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ اسپین کی تاریخ کا سنہری اور زریں دور ہی وہ تھا جب یہاں مسلمان حکمران تھے۔ علوم وفنون، اداروں کے قیام، عمارتوں کی تعمیر وغیرہ کا جو کام اہل اسلام کے دور میں ہوا، وہ نہ ان سے پہلے ہوا اور نہ بعد میں۔ یوں اسلام سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ پھر قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا اور اسلام قبول کر کے اسپینی حکومت کا دیا گیا منصوبہ ادھورا چھوڑ کر تبلیغ اسلام میں لگ گئے۔ ایسے ہی ایک امریکی نومسلم فلسفہ کا مطالعہ کرتے کرتے اسلامی تصوف سے متعارف ہوئے اور بالآخر اسلام قبول کرلیا۔ (محاضرات قرآنی، ص ۸۲-۸۴)

اختلافات میں انتہا پسندانہ رویہ سے اجتناب:

ہمارے مذہبی حلقوں میں ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ علمی وفقہی اور تعبیر کے اختلاف کو کفر واسلام کا مسئلہ بنالیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریروں اور خطبات میں اس جاہلانہ رویہ سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس طرح کے اختلافات نہ صرف یہ کہ نقصان دہ نہیں اور ان پر لڑنے جھگڑنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ہی یہ تھا۔ آنحضورؐ نے صحابہ کو ایک سے زائد نقطہ ہائے نظر اپنانے کی تربیت دی۔ اس سلسلہ میں وہ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نے صحابہ کو جلد از جلد بنی قریظہ کے محلّہ میں پہنچنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نمازِ عصر وہاں جا کر پڑھنے کا حکم دیا۔ بعض نے یہ سمجھ کر کہ حضورؐ کا مقصد وہاں پہنچ کر نماز عصر پڑھنے کو لازم قرار دینا نہیں تھا، بلکہ ممکن حد تک جلدی پہنچنا تھا، راستہ ہی میں نماز عصر پڑھ لی۔ بعض دیگر نے دوسرا مطلب سمجھا اور وہاں پہنچنے پر نماز قضا ہوگئی۔ حضور نے کسی کو بھی غلط قرار نہ دیا اور دونوں سے کہا کہ تم نے ٹھیک کیا۔ ایسے ہی ایک دفعہ دو صحابہؓ کو دورانِ سفر غسل کی حاجت پیش آئی اور پانی نہ ملنے کی بنا پر انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ بعد میں پانی ملا تو ایک صاحب نے غسل کر کے نماز دہرائی جبکہ دوسرے نے کہا کہ نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپؐ نے پہلے شخص سے متعلق فرمایا: تمہیں دوہرا اجر ملے گا، اور دوسرے سے کہا: تم نے سنت کے مطابق کام کیا۔ چنانچہ صحابہؓ میں باہم اختلاف ہوتا تھا۔ ایک صحابی ایک عمل کو سنت سمجھتے اور دوسرے، دوسرے کو۔ گویا شریعت کے کسی حکم کو سمجھنے اور اس کی تعبیر وتشریح میں دیانت داری سے اختلاف رائے کی پوری گنجائش موجود ہے اور حکمِ شرعی کی تفسیر میں کسی شخص کی افتادِ طبع، مزاج اور رویے کی گہری تاثیر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ شریعت کا عمومی و جامع نظام اپنے اندر متنوع قسم کی چیزوں کو سمو لینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔ القصہ اسلام میں اختلافِ آرا و مسالک ایک پسندیدہ چیز اور صحت مند سرگرمی قرار پاتی ہے۔ اسی بنا پر روایات میں اہل علم کے اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اختلافِ افکار وآرا جیسی باعث رحمت چیز کو زحمت نہ بنائیں۔ (محاضرات حدیث، ص ۲۵۲، ۴۷۹، ۴۸۰، مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، ص ۲۴۹ - ۲۵۵۔)

شیعہ کو کافر کہنے اور کافر قرار دلوانے کی کوششوں کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''دیکھیے یہ بڑی غیر ذمہ داری کی باتیں ہیں۔ ایسی باتیں کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ یہ دنیائے اسلام میں ایک ٹائم بم رکھنے کے مترادف ہے۔ شیعہ حضرات آج سے نہیں، تیرہ سو برس سے چلے آرہے ہیں۔ کبھی بھی مسلمانوں نے انہیں کافر نہیں کہا۔ بڑے بڑے اہل علم نے شیعہ عقائد کا مطالعہ کیا تو انہیں غلط کہا، ان پر تنقید بھی کی، ان کی کمزوریاں بھی واضح کیں، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ بات جو پچھلے پندرہ بیس سالوں سے پیدا ہوئی ہے، اس نے دنیائے اسلام میں بڑا فساد پیدا کیا ہے۔ شیعہ کے بہت سے عقائد غلط ہیں، لیکن غلط عقائد کے علمبردار ماضی میں بھی بہت رہے ہیں۔ مثلاً خوارج کے بہت سے عقائد غلط تھے لیکن کسی نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا۔ ابوبکرؓ وعمرؓ کی خلافت کا انکار کرنے والے پہلی صدی میں بھی تھے، لیکن انہیں کافر نہیں کہا گیا۔ کسی کی خلافت کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔ قرآن میں کہیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اے مسلمانو! ابوبکر وعمرؓ کو خلیفہ مانو۔ جو شخص ان جلیل القدر صحابہؓ کی خلافت کا انکار کرتا ہے، وہ ایک امر واقعہ کا انکار کرتا ہے۔ اگر کوئی انکار کرے کہ سورج نہیں نکلا ہوا تو یہ امر واقعہ کا انکار ہوگا اور امر واقعہ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہو جائے گا۔ اسے بیوقوف یا جاہل کہہ سکتے ہیں۔ بیوقوف اور جاہل ہونا الگ بات ہے اور کافر ہونا الگ بات۔'' (محاضرات فقہ، ص ۵۵۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان میں مذہبی تحزب وتشدد کے محرکات اوراس سے نجات کی راہ:

پاکستان میں مذہبی تحزب وتشدد ایک بہت بڑا ناسور ہے۔ڈاکٹر غازی مرحوم نے ایک بالغ نظر عالم کی حیثیت سے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کے ظہور وشیوع کے محرکات کی نشاندہی اور اس سے بچنے کی راہ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ان کے مطابق انگریزی استعمار نے مسلمانوں کے مسلکی اختلافات کو ان کی قوت کمزور کرنے کے لیے استعمال کیا۔۱۹۷۰ء میں مسلکی اختلافات انتخابی میدان میں داخل ہوئے ،انتخابی رنجشوں نے مسلکی اختلافات کی زبان اور محاورہ اپنایا اور یوں بتدریج یہ چیز مسلمانوں کی تقسیم در تقسیم کا ایک خود کار ذریعہ بن گئی۔ مذہبی تشدد وتحزب کے جراثیم ۱۹۸۰ء کے عشرے میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۰ء کے عشرے کے آغاز میں اس مذہبی تحزب وتشدد اور دہشت گردی نے ایک عفریت کی شکل اختیار کر لی۔اس کے اسباب میں اندرون ملک کی سیاسی،معاشرتی اور معاشی پالیسیاں اور خطے کی دیگر قوتوں کی پالیسیاں شامل ہیں۔مخصوص مذہبی عقائد کی اشاعت میں غیر ضروری سختی ،بعض مذہبی سیاسی تصورات کو بزورِ بازو برآمد کرنے کی کوشش اور بعض اقلیتی خیالات وتصورات کی غیر ملکی سرپرستی،وہ چیزیں ہیں جنہوں نے صورت حال کو کشیدہ بنا دیا اور متعدد تشدد پسند گروہ اٹھ کھڑے ہوئے۔بیرون پاکستان کی متحارب قوتوں نے اپنے آپس کے اختلافات کو پاکستان برآمد کر دیا اور اپنے اپنے حامیوں کی مدد سے اپنی ذاتی جنگ پاکستان کی سرزمین پر لڑنی شروع کر دی۔اس مسئلے کا حل بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں اپنے دینی معاملات کو خود طے کرنا چاہیے اور غیر پاکستانی عناصر کو پاکستان کی سرزمین استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دینا چاہیے۔جس طرح غیر مسلم قوتوں کا پاکستانی سرزمین کو حربی وعسکری مقاصد کے لیے استعمال کرنا غلط ہے، دوسری مسلم قوتوں کا اپنے سیاسی اور گروہی مقاصد کے لیے ہماری زمین کو استعمال کرنا بھی غلط ہونا چاہیے۔

(مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم ،ص ۲۵۰-۲۵۱، ۲۵۶)

دینی تناظر میں عصری تعلیمی تقاضے:

ڈاکٹر غازی مرحوم اسلامی اور جدید مغربی ہر دو علوم میں گہری بصیرت کے مالک تھے،اور جدید مسائل کو دینی تناظر میں ماہرانہ انداز سے حل کرنے کے سلسلہ میں انہوں نے قابل قدر خدمات بھی سرانجام دیں،لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام کسی ایک یا معدودے چند اہل علم نہیں، اہل علم کی معتد بہ تعداد کا متقاضی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس تقاضے کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف بھرپور توجہ دلائی۔وہ عصری ودینی تعلیمی نظام کو بانجھ سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک تحقیق وجستجو کا ذوق نہ عصری جامعات کے فضلا میں ہے اور نہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات میں۔اس لیے کہ تعلیم کے مقاصد واہداف ہر دو جگہ پر واضح نہیں۔یہاں ملازمت کا حصول مقصد ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہاں امامت وخطابت کا۔ بلکہ مدارس کے طلبہ کو اس حوالے سے یک گونہ برتری حاصل ہے کہ اگر کسی موجودہ مسجد میں امامت وخطابت میسر نہ ہو تو اس مقصد کے لیے جہاں بس چلے، نئی مسجد کھڑی کی جا سکتی ہے اور پھر اس نئی مسجد کے وجود کا جواز پیدا کرنے کے لیے فقہی اور مسلکی حوالوں کو بہ سہولت مدد کے لیے پکارا جا سکتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے دینی مدارس بالعموم جو فاضلین تیار کرتے ہیں، وہ دین کو موجودہ زندگی اور روزمرہ معاملات سے متعلق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ وہ جدید مسائل کو حل کرنا تو درکنار ان کو سمجھنے سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔ مثلاً ان سے پوچھا جائے کہ شیئرز مارکیٹ میں پیسا لگانا جائز ہے یا نہیں تو ان میں سے اکثر یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ شیئرز کہتے کس کو ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس میں انہیں جو مسائل سکھائے جاتے ہیں، وہ اور ہی قسم کے مسائل ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام صاحبان سوسائٹی میں پہنچ کر جب اپنے سیکھے ہوئے مسائل کو معاشرے سے غیر متعلق پاتے ہیں تو وہ مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے اپنے مسائل ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ حضورؐ نور تھے یا بشر۔ اب بیچارے عوام جن کو ان مسائل سے کوئی سروکار ہوتا ہے اور نہ ان کا علم اور نہ ہی یہ دینی حوالے سے ان کی کسی قسم کی ضرورت ہوتے ہیں، ان مسائل میں پھنسا دیے جاتے ہیں۔ ایک طرف کے حضرات اپنا زور بیان حضورؐ کو نور اور دوسرے بشر ثابت کرنے پر صرف کرنے میں جت جاتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان رہنمایان دین کو دینی تعلیم سے اس انداز میں بہرہ ور کیا جائے کہ وہ روزمرہ اور عام پیش آمدہ جدید مسائل میں لوگوں کی دینی رہنمائی کے اہل ہو سکیں۔

یہ تو ائمہ مساجد کی عام سطح کا معاملہ ہے۔ جہاں تک ملک وملت کو وسیع پیمانے پر جدید تناظر میں دینی حوالے سے محققانہ اور قائدانہ رہنمائی فراہم کرنے کا سوال ہے تو اس کے لیے ایسے اہل علم تیار کرنے کی ضرورت ہے جو اسلامی علوم میں گہری بصیرت کے ساتھ ساتھ جدید عمرانی وانسانی علوم میں بھی ماہرانہ دستگاہ رکھتے ہوں۔ حیرت ہے کہ بعض روایتی اہل علم علما کو جدید علوم سکھانے پر معترض ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ یونانی فلسفہ و منطق پر مبنی مباحث آج تک مدارس میں پڑھائے جا رہے ہیں، حالانکہ نہ صرف یہ کہ آج ان کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ قرون وسطیٰ میں بھی مسلمانوں میں کسی واقعی مجبوری کے بجائے محض علمی ذوق کی بنا پر رائج ہوئے، جبکہ جدید عمرانی وانسانی علوم نہ صرف یہ کہ آج انتہائی ضروری ہیں بلکہ مسلمانوں کو درپیش جدید چیلنجز کے تناظر میں واقعی مجبوری کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اسلام میں دینی اور دنیاوی تعلیم کے الگ الگ ہونے کا کوئی تصور نہیں۔ یہ مغربی سیکولرزم کے باقیات واثرات میں سے ہے۔ مسلمانوں کے دورِ عروج میں ان کا نظام تعلیم ان کی دین اور دنیا دونوں کی ضروریات پوری کرتا تھا۔ آج مغربی اثرات کے نتیجے میں دینی اور دنیوی ضروریات کے لیے الگ الگ تعلیمی دھارے وجود میں آ گئے ہیں۔ ہمارے مذہبی حلقے اس کو عملاً تسلیم کر بیٹھے ہیں، حالانکہ اسلام کا آئیڈیل نظام تعلیم وہ ہے جس کے ذریعے ایسے رجال کار سامنے آئیں جو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کارہائے نمایاں سرانجام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اسلامی نظام تعلیم کو دین و دنیا کی جامعیت کا یوں آئینہ دار ہونا چاہیے کہ ایک ہی قسم کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں سے کوئی مجدد الف ثانی جیسا (ہندوستان کا سب سے بڑا مذہبی عبقری کہلانے والا) عالم ہو، کوئی سعد اللہ خان ایسا (مغلیہ عہد میں موجودہ ہندوستان، موجودہ افغانستان، موجودہ پاکستان، موجودہ بنگلہ دیش، موجودہ سری لنکا اور موجودہ نیپال، کم از کم چھ ملکوں کی وزارت عظمیٰ کو چالیس تک کامیابی سے چلانے والا مدبر) سیاستدان ہو اور کوئی استاد احمد معمار جیسا (تاج محل ایسا دنیا کے سات عجائبات میں سے نمایاں عجوبہ تیار کر دینے والا) انجینئر ہو۔ (مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم ص ۵۶، ۵۷، ۱۶۸، مغرب کا فکری وتہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں، ص ۱۲-۳۴)

تبلیغ ودعوت میں دین، شریعت وفقہ اور ذوق کا لحاظ رکھنے کی ضرورت:

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں توحید و وحدت کے علمبردار دین کے نام پر جو تبلیغ وتلقین ہو رہی ہے، وہ سوسائٹی کو متحد کرنے کی بجائے اسے مسلکوں اور فرقوں کے نام پر مختلف حصوں میں بانٹ رہی ہے۔ سارے مبلغین اس حقیقت کو تسلیم کرتے بلکہ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ تعلیم وتبلیغ دین مسلم معاشرہ میں وحدت کی ضامن ہے، لیکن ان کی کاوشوں کا نتیجہ بالکل الٹ برآمد ہو رہا ہے۔ یہ امر واقعہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ تبلیغ ودعوت کا کام غلط نہج پر ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر غازی علیہ الرحمۃ نے اس مرض کی تشخیص کرتے ہوئے تبلیغ ودعوت دین سے متعلق لوگوں کے لیے ایک نہایت خوبصورت نسخہ تجویز کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے ہمارے ہاں اتحاد کی بجائے انتشار کے سامنے آنے کا سبب اسلام کی تعلیم کے حوالے سے مسلکی آرا اور فقہی اجتہادات پر زور دیا جانا ہے۔ ان کے مطابق اسلام کے حوالے سے اہل مذہب کی ذمہ داریوں کی مختلف سطحیں ہیں۔ ان سطحوں کا لحاظ کیے بغیر مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ یہ سطحیں دین، شریعت وفقہ اور ذوق کی ہیں۔ جہاں تک غیر مسلموں اور دین سے برگشتہ مسلمانوں میں تبلیغ کا تعلق ہے تو وہ دین ہی کی ہونا چاہیے، اس لیے کہ تبلیغ ہمیشہ دین ہی کی ہوتی ہے۔ آپ نے اسلامی ادب میں کسی بھی جگہ تبلیغ شریعت یا تبلیغ فقہ کا لفظ نہیں پڑھا ہوگا۔ دین سے مراد دین کی بنیادی اساسات یعنی توحید، رسالت اور آخرت اور ان کے مقتضیات پر ایمان اور مکارمِ اخلاق ہے۔ یہ چیز ہمیشہ اور تمام اقوام وملل میں ایک سی رہی ہے۔ صحابہ کرامؓ دنیا کے گوشے گوشے میں گئے، لیکن ہر جگہ دین ہی کی تبلیغ کی۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، حضورؐ کی نبوت، روز آخرت کی جزا وسزا اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم رہی۔ کہیں بھی کسی نے لوگوں کو کسی فقہی یا کلامی رائے یا مسلک کی طرف نہیں بلایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں فقہی اور کلامی حوالوں سے باہم کوئی اختلاف رائے موجود نہ تھا۔ یہ اختلاف واضح طور پر موجود تھا لیکن اسے دعوت وتبلیغ کا موضوع نہیں بنایا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے کہ یہ چیز تحقیق، فتویٰ اور فہم شریعت کے ذیل کی ہے اور دین کے بعد کا مرحلہ ہے۔ ایک صاحب علم اپنے فہم وتحقیق کے مطابق کسی فقہی وکلامی معاملہ میں ایک رائے کو زیادہ صحیح قرار دے گا اور دوسرا، دوسری کو۔ یہ چیز صحابہ میں بھی موجود تھی، ائمہ سلف میں بھی موجود رہی اور آئندہ بھی موجود رہے گی۔ لیکن یہ اعلیٰ تعلیم اور تحقیق سے وابستہ لوگوں کے حلقہ تک محدود رہے گی۔ یہ نہ عمومی اور ابتدائی تعلیم کا موضوع ہے اور نہ تبلیغ ودعوت کا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی فقیہ اسلام نے کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا ہو کہ اے عراق والو! خبردار احمد بن حنبلؒ کی فلاں تحقیق غلط ہے، اس کی بات مت ماننا۔ ان حضرات نے اعلیٰ فنی اور تحقیقی موضوعات کو تحقیق کے دائرے تک محدود رکھا اور دعوت، جب بھی دی، دین ہی کی دی۔ بنا بریں تحقیقی معاملات میں ایک سے زیادہ آرا کی صورت میں عوام الناس محققین کی طرف رجوع کریں گے اور جس صاحب علم وتقویٰ کی تحقیق سے انہیں اتفاق ہوگا، اس کی تحقیق کو قبول کر لیں گے۔ تحقیق کے بعد ایک اور چیز کسی صاحب علم کا ذوق ہے۔ اسلام نے کسی شخص کے ذوق کو ختم نہیں کیا۔ صحابہ میں بھی ہر ذوق کے لوگ موجود تھے، ائمہ سلف میں بھی رہے اور آئندہ بھی موجود رہیں گے۔ بعض اوقات کسی دینی شخصیت کا ایک خاص مزاج بن جاتا ہے۔ اس شخصیت کے ماننے والے اس کے ذوق کی پیروی کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس ذوق کو دین بنا دیا جائے اور دین کی طرح اس کی تبلیغ شروع کر دی جائے تو یہ چیز فساد کا موجب ہوگی۔ ذوق تو کسی صحابی کا بھی واجب التعمیل نہیں حتیٰ کہ حضورؐ کے ذاتی ذوق کے بارے میں بھی وضاحت کر دی گئی کہ جس کا جی چاہے، اختیار کرے اور جس کا جی چاہے، اختیار نہ کرے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضورؐ دسترخوان پر تشریف فرما تھے۔ وہاں کوئی خاص قسم کا گوشت پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس سے اجتناب کیا اور یہ عذر فرمایا کہ میرا ذوق اس کو کھانے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن صحابہ کو آپ نے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق گوشت تناول فرمایا۔

امت کی وحدت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ اور متعدد آیات میں اس کا تاکیدی حکم آیا ہے۔ حضرت ابراہیم نے دعا مانگی: ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔ تو جو امت قرآن مجید کی نص سے، حضرت ابراہیم کی دعا سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب وروز کی محنت سے قائم ہوئی ہے، جس کی وحدت اور حفاظت کی دعائیں حضورؐ نے راتوں کو جاگ کر فرمائی ہیں، کیا اس کی وحدت کو زید، عمر، بکر کی رائے بنا پر افتراق وانتشار میں مبتلا کر دیا جائے؟ یہ سراسر شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم نے دعوت، تعلیم، تحقیق اور ذوق کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے۔ جو شخص تحقیق اور ذوق کی دعوت دے رہا ہے، وہ حضورؐ اور صحابہؓ کے عمل کی مخالفت کر رہا ہے۔ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ لوگ قرآن کی بجائے تراجم قرآن اور رسولؐ واصحاب رسولؐ کے طرز عمل کی بجائے اپنے اپنے ممدوح علما کے مسالک ومشارب کی دعوت دیتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنے اپنے ممدوح علما سے اختلاف کو کفر ونفاق تک پہنچانے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ لوگوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کو مختلف ترجموں اور تفاسیر کی تنگنائیوں میں محدود کر ڈالا ہے، حالانکہ کوئی کتنا ہی بڑا انسان ہو، حتیٰ کہ عمر فاروقؓ ایسا جلیل القدر صحابی ہی کیوں نہ ہو، اس سے قرآن کی تعبیر میں غلطی ہو سکتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ لوگ مہر مقرر کرنے میں بہت اسراف سے کام لینے لگے ہیں اور اسے بڑائی کی دلیل سمجھا جانے لگا ہے، لہٰذا اس پر قدغن لگانی چاہیے۔ انہوں نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ آج کے بعد مہر کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی گئی ہے اور کوئی شخص اس سے زیادہ مہر نہ رکھے۔ بڑے بڑے جید صحابہؓ موجود تھے، سب نے اس فیصلہ کو درست قرار دیا۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ باہر نکلے تو ایک بوڑھی خاتون ملیں اور حضرت عمرؓ سے کہا: تم نے جو مہر مقرر کیا ہے، وہ بالکل غلط ہے۔ تم قرآن کو نہیں سمجھتے۔ قرآن مجید میں تو آیا ہے کہ اگر تم نے عورت کو دولت کا ایک ڈھیر بھی دے دیا ہو تو بھی واپس مت لو۔ گویا دولت کا ڈھیر بھی مہر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس مقررہ مقدار سے زیادہ مہر نہ باندھا جائے؟ حضرت عمرؓ نے ایک لمحے کو سوچا۔ مسجد میں آئے، لوگوں کو بلایا اور منبر پر چڑھ کر فرمایا: اخطا عمر و اصابت امرأۃ۔ ''عمر نے غلطی کی اور ایک عورت نے سچ کہا'' میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ یہ عمرؓ وہ تھے جو خلیفہ راشد تھے۔ حضورؐ کے جانشین تھے۔ قرآن مجید کی ۱۷ آیات جن کی توقع اور اندازہ کے مطابق نازل ہوئیں۔ حضورؐ نے بارہا جن کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی تائید فرمائی۔ اس کے برعکس آج کا کوئی مذہبی لیڈر، مولوی یا پیر ہوتا تو بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اعتراض کرنے والی عورت کو ڈانٹ کر خاموش کر دیتا۔ اگر عمرؓ ایسے مقام و مرتبہ کے حامل شخص سے غلطی ہو سکتی ہے اور وہ علی الاعلان اس کا اعتراف کر سکتے ہیں تو اور کون کس شمار وقطار میں ہے؟ مگر ہمارے ہاں یہ کہنا تو بہت آسان ہے کہ عمر فاروقؓ سے غلطی ہو گئی، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ سے غلطی ہو گئی، ہماری دینی درسگاہوں میں روزانہ یہ تنقیدی تبصرے ہوتے رہتے ہیں، لیکن یہ کہنے کی کسی کی مجال نہیں کہ مولانا تھانوی سے غلطی ہو گئی، مولانا مودودی سے غلطی ہو گئی یا مولانا احمد رضا خان سے غلطی ہو گئی۔ کوئی ذرا یہ جرات کر کے تو دیکھے! ان کے مریدین سر توڑ دیں گے اور اسلام سے خارج کر کے دم لیں گے۔ (محاضرات قرآنی، ص ۳۸۰-۴۰۱، محاضرات سیرت، ص ۷۵۲)

مقصودِ اصلی حکومت کا قیام نہیں، معاشرہ کی اصلاح ہے:

ہمارے ہاں بہت سے اہل مذہب اپنی تمام تر توانائیاں حکومت کے حصول میں صرف کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسلامی خطوط پر اصلاح معاشرہ کی بنیادی ذمہ داری سے غفلت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ رویہ معاشرے اور ریاست ہر دو کی اسلامی تشکیل میں سدِ راہ ہے۔ ڈاکٹر غازیؒ نے اہل مذہب کو مذہبی خطوط پر معاشرہ کی تعمیر کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا اور اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام میں اصلاح کی ترتیب اوپر سے نیچے کی بجائے نیچے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوپر کی طرف ہے۔حکومت مسلمانوں کا مقصود اصلی نہیں۔قرآن مجید میں کہیں بھی مسلمانوں سے یہ نہیں کہا گیا کہ اے مسلمانو! تم حکومت قائم کرو، بلکہ امت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ تم میں ایک ایسی امت ہونا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے۔ہاں اس کام میں اگر حکومت رکاوٹ بنتی ہے تو اس کی اصلاح کرو اور اگر اللہ تم میں سے کسی کو حکومت عطا فرمادے تو وہ اسے اسلام کے مطابق چلائے۔شریعت کی اصطلاح میں ایک ''مطلوب لعینہ'' ہوتا ہے اور ایک ''مطلوب لغیرہ''، یعنی ایک چیز بذات خود مقصد ہوتی اور دوسری حصول مقصد کا ذریعہ۔اسلام کے نقطہ نظر سے حکومت مقصود لعینہ نہیں، مقصود لغیرہ ہے۔ریاست شریعت کی ضرورت ہے، لیکن ریاست اور شریعت لازم وملزوم نہیں۔کیا امریکہ میں جو مسلمان رہتے ہیں، وہ اسلام پر عمل نہیں کر رہے؟ کیا فتح مکہ سے پہلے مکہ میں رہنے والے مسلمان شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے؟ کیا حبشہ میں ہجرت کر کے جانے والے مسلمان شریعت پر عمل نہیں کر رہے تھے؟ شریعت پر عمل ریاست کے بغیر بھی ممکن ہے۔ہاں البتہ شریعت کی ریاستی ذمہ داریاں ریاست کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں اور اسی اعتبار سے مکمل اسلامی احکام کے مطابق اسلامی ریاست کا قیام ہم سب کی آرزو ہے، لیکن اس آرزو کی تکمیل کے لیے پھر سوسائٹی ہی کی اصلاح کو فوکس کرنا لابدی ٹھہرتا ہے۔ریاست اسی وقت اسلامی بن سکے گی جب معاشرہ اسلامی ہوگا۔یہ نہیں ہوسکتا کہ معاشرہ کے افراد کی اکثریت اسلام سے بے بہرہ ہو، عبادات کی پابند نہ ہو، چوری، بدکاری جھوٹ اور دیگر جرائم میں مبتلا ہو اور حکومت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسی قائم ہو جائے۔کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں بہت امن تھا، مگر آپ کے دور میں بدامنی ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ وہ میرے جیسے لوگوں پر حاکم تھے اور میں تم جیسے لوگوں پر حاکم ہوں۔(محاضرات سیرت، ص ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۸۲ وغیرہ)

غیر مطلوب اور بے فائدہ مذہبی مباحث سے احتراز:

اسلام مسلمانوں میں جو رویے پیدا کرنا چاہتا ہے، ان میں ایک نہایت اہم رویہ مذہب کے حوالے سے ایسے مباحث سے احتراز ہے جن کا دین و دنیا میں کوئی فائدہ نہ ہو، لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے نہ صرف یہ کہ ایسے بے فائدہ اور غیر مطلوب مباحث سے احتراز نہیں کیا جاتا بلکہ الٹا انہی کو مرکزِ بحث ونظر اور شناختِ ایمان بنالیا گیا ہے۔ڈاکٹر غازی مرحوم نے اس افسوسناک رویہ کو ترک کرنے پر زور دیا ہے۔حضورؐ کے علم سے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ ایک غیر ضروری اور بے فائدہ سوال ہے۔ہمیں ایسے سوالات پر اپنا وقت ضائع کرنے سے بچنا چاہیے۔قیامت کے روز ہم سے حضورؐ کے احکامات اور آپ کی سیرت کے مطابق عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا، حضور کے علم کی کوانٹٹی سے متعلق ہرگز سوال نہیں ہوگا۔مذکورہ سوال کی لغویت کو منطقی اعتبار سے واضح کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے علم کا تقابل عام انسانوں سے کوئی فضول شخص ہی کر سکتا ہے، کیونکہ عام انسانوں کے مقابلہ میں حضور کے علم کی کوئی انتہا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ اور حضور کے علم کا تقابل اس اعتبار سے بے فائدہ مشغلہ ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں حضور کے علم کا محدود ہونا ظاہر و باہر ہے۔ کسی شخص کے پاس کوئی پیمانہ نہیں کہ وہ آپ کو بتا سکے کہ حضور کے پاس اتنا علم تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کے علاوہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ حضور کے پاس غیب کا اتنا علم تھا جتنا اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ گویا ایسے سوالات بحث ونظر کا موضوع ہی نہیں ہونا چاہییں۔ جب کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ انسانی بساط ہی میں نہ ہو تو اس پر بحث چہ معنی دارد؟ (محاضرات سیرت، ص ۵۱۱، ۵۷۶ وغیرہ)

خذ ما صفا ودع ما کدر کا رویہ:

ہمارے مذہبی حلقوں کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ جس کے ساتھ عقیدت اور فکری وابستگی ہے، اس کی تو ہر کمزور سے کمزور چیز بھی صحیح اور لائق تقلید ہے اور جس سے یہ وابستگی وعقیدت نہیں، اس کا اچھے سے اچھا کام بھی ناقابل التفات۔ یہی نہیں بلکہ اپنے فکری رہبر کی غلط سے غلط بات کے دفاع میں اور دوسرے کی صحیح سے صحیح بات کی تردید میں 'خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں' کا مصداق بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس رویے پر تنقید کرتے ہوئے خذ ما صفا ودع ما کدر کا رویہ اپنانے پر زور دیا ہے۔ ایک خطبہ میں ڈاکٹر صاحب نے سیرت سے متعلق سر سید کی خدمات کا تذکرہ کیا تو لوگوں نے سر سید کی تجدد پسندانہ تعبیرات کی بنا پر مذہبی حلقوں میں ان سے متعلق پائی جانے والی ناپسندیدگی کے تناظر میں ان سے بہت سے سوالات کیے۔ ان سوالات کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ ہمارے ہاں یہ روایت بن گئی ہے کہ یا تو ہر چیز کو بالکل منفی انداز میں دیکھا جاتا ہے یا بالکل عقیدت مندانہ انداز میں۔ ضروری نہیں کہ کسی شخص کی ایک بات سے آپ متفق ہوں تو اس کی بقیہ تمام باتوں سے بھی آپ اتفاق کریں یا اگر ایک سے اختلاف ہے تو بقیہ سب باتوں سے بھی اختلاف کریں۔ یہ رویہ ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔ سر سید کی بہت سی باتوں سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ ان کی بہت سی باتیں مغرب سے مرعوبیت کا نتیجہ تھیں۔ لیکن ان کی مثبت باتوں اور مسلمانوں کے لیے خدمات کو سراہنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ کسی سے اتفاق کی صورت میں اس کے ہر رطب و یابس کو درست مان لینے اور اختلاف کی صورت میں ہر بات کا انکار کر دینے کا کوئی جواز نہیں۔ (محاضرات سیرت، ص ۶۳۲، ۶۳۹، ۶۴۰)

ایک نئی اور عالمگیر فقہ کی تشکیل کی ضرورت اور اجتہاد و تقلید کی حقیقت:

نئے زمانے کی ضروریات کے مطابق ایک نئی فقہ کی تشکیل کے بغیر اسلام کے عالمگیر کردار کا خواب شرمندہ معنی نہیں ہو سکتا۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے بھی اس پر بہت زور دیا تھا۔ ڈاکٹر غازیؒ نے بھی اس کی طرف خصوصی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توجہ دلائی ہے۔ ان کے مطابق آج کا دور بین الاقوامیت کا دور ہے۔ اسلامی عالمگیریت کے لیے ناگزیر ہے کہ ایک نئی اور عالمگیر فقہ تشکیل دی جائے۔ اس فقہ کو Cosmopliton Fiqh یا Globalized Fiqh کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس فقہ کی تدوین کے لیے ہمیں قدیم اسلامی روایت کے ساتھ گہری اور مضبوط وابستگی کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب کے تمام مفید تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ انہوں نے جدید دور میں عالمگیریت کے مسائل کی بنیادی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر دور میں بعض اہم فکری مسائل اور تہذیبی معاملات ایسے ہوتے ہیں، جو کسی وجہ سے خصوصی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بیسویں صدی کے نصف اول میں اسلامی اور غیر اسلامی، ہر فکر، ریاست و سیاست پر مرتکز تھی۔ اس زمانہ کے تمام مفکرین اسلام اسلامی ریاست اور اسلامی سیاست پر لکھ رہے تھے۔ بیسویں صدی کے نصف دوم میں ریاست اور سیاست کی مرکزیت کم ہوگئی اور اقتصادیات و مالیات کی مرکزیت نمایاں ہوگئی۔ چنانچہ فکر اسلامی کا اہم موضوع سیاست اور ریاست کی بجائے اقتصادیات و مالیات کے مضامین قرار پائے۔ آئندہ پچاس سال میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیریت اور اس کے مسائل اور گلوبلائزیشن اور اس کے مسائل، فکر کے بنیادی مسائل ہوں گے۔ لہٰذا ہماری ذمہ داری، آئندہ چند عشروں میں، یہ ہے کہ ہم عالمگیریت کی فکری و اخلاقی اساس کا تعین کرنے میں دنیا کی رہنمائی کریں اور دنیا کو مذہب اور معاشرے، مذہب اور تہذیب، مذہب اور ریاست اور مذہب اور معیشت کا بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد دلائیں۔ یہ کام چونکہ اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے ڈاکٹر صاحب نے اجتہاد پر بھی خصوصیت سے زور دیا اور اس کا ختم نبوت سے قریبی تعلق بتایا ہے۔ لیکن اجتہاد کے حوالے بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یہ ائمہ فقہ کے اجتہادات سے بغاوت کی راہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس غلط فہمی کے ازالہ کی خاطر اجتہاد کی اہمیت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ اجتہاد اور تقلید کی حقیقت بھی واضح فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ بعض اعتبارات سے تقلید کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص دین کا تفصیلی علم حاصل نہ کر سکے یا نہ کرے (کہ شریعت نے اسے سب پر لازم قرار نہیں دیا) تو اس کے لیے شریعت کے مختلف فیہ امور میں اس کے سوا کوئی سبیل نہیں کہ جس کے علم و تقویٰ پر اسے اعتماد ہو، اس کے اجتہادات کے مطابق عمل کرے۔ ایسی تقلید ہمیشہ رہی اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی سائنس سے ناواقف شخص کسی سائنسی معاملے میں کسی ایسے سائنسدان کی رائے کو تسلیم کرے جس کے سائنسی علم پر اسے بھروسہ ہو یا کوئی معاشی معاملات سے بے خبر شخص کسی ایسے ماہر معاشیات کی رائے پر اعتماد کرے جس کے معاشی علم اور مہارت پر اسے اعتماد ہو، لیکن اس تقلید کا تعلق روزمرہ زندگی اور معاشرے کی اسلامی اساس اور اس کے تسلسل سے ہے۔ مستقبل کی تشکیل اور نقشہ کشی، نئے چیلنجز کا سامنا کرنے، نئے مسائل کو حل کرنے، نئی مشکلات کا دور کرنے اور نئے سوالات کے جوابات کے لیے جرأت مندانہ اجتہاد ناگزیر ہے۔ لہٰذا اہل علم و بصیرت کو آگے بڑھ کر اسلام کے عالمگیر کردار کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے وہ تمام تدابیر اختیار کرنا چاہییں، جن کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے۔ ان تدابیر کے لیے نئے نئے ادارے بھی بنائے جائیں اور ماضی کے اداروں کا احیا بھی کیا جائے۔ شریعت نے نہ ماضی کے کسی ادارے اور تجربے کو جوں کا توں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ غیر ضروری طور پر کسی نئے ادارے یا تجربے کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اس لیے کہ شریعت کا اصل زور مقاصد واہداف اور نصوص کی تعمیل پر ہے نہ کہ وسائل و ذرائع پر۔ (محاضرات شریعت، ص ۵۴۰-۵۵۲)

ڈاکٹر غازی مرحوم کے افکار ونظریات کے بہت سے گوشوں میں سے صرف چند گوشے یہاں پیش کیے جا سکے ہیں، لیکن ان سے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مرحوم کس قدر اتھاہ وژن، عمیق فکر، گہری بصیرت اور وسیع علم کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے افکار سے رہنمائی حاصل کر کے ان کے امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کی بحالی کے خواب کو شرمندۂ معنی کرنے کی سعی کی توفیق عطا فرمائے۔ قضا وقدر کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب کو کچھ مزید مہلت ملتی تو وہ اس امت مرحومہ کے لیے وہ کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے جس کا خواب دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ فکر کی تنگنائیوں کو پہنائیوں میں بدلنے، بے مایہ کو گراں مایہ کرنے، قطرے کو گہر کرنے اور اپنے افکارِ تازہ سے جہانِ تازہ تخلیق کرنے کی اہلیت کے مالک تھے۔ شاید اسی احساس کے تحت انہوں نے عرفی کی زبان میں کہا تھا:

من از گل باغ می جویم تو گل از باغ می جوی
من آتش از دخاں بینم تو از آتش دخاں بینی

''میں پھول سے باغ بنانا چاہتا ہوں اور تم باغ سے پھول تلاش کرتے ہو۔ میں دھویں سے آگ کا پتہ چلا لیتا ہوں اور تم آگ کو دیکھ کر دھویں کا وجود معلوم کرتے ہو۔''

''مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم''
خطبات وتقاریر: ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ
مرتب: ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن
[صفحات: ۲۵۶۔ قیمت: ۱۷۵ روپے]
ناشر: الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ

© rasailojaraid.com